REGULAR EDITION

An International Journal of ISLAMIC AND SOCIAL SCIENCES

ISLAMICUS

PAKISTAN ISLAMICUS

(An International Journal of Islamic and Social Sciences)

Volume:05, Issue:03, July-September, 2025, Pages:27-39

Journal Website: https://pakistanislamicus.com/index.php/home

Publisher Website: https://www.mircpk.net

MUSLIM INTELLECTUALS Research Center Multan-Pakistan

انعقادِ خلافت کے لیے اشتراط قرشیت کی حقیقت: اہل علم کی آراء کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ

THE CONDITION OF QURAYSH LINEAGE IN THE ESTABLISHMENT OF THE CALIPHATE: A CRITICAL AND ANALYTICAL STUDY OF SCHOLARLY PERSPECTIVES

***Muhammad Ibrahim[1], Dr Jamil Ahmad Nutkani[2]**

[1] MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan, Punjab, Pakistan.

[2] Assistant Professor, Institute of Islamic Studies, Bahauddin Zakariya University, Multan, Punjab, Pakistan.

HEC "Y" Category HJRS HEC Journal Recognition System

ARTICLE INFO

Article History:

Received:	July 10, 2025
Revised:	July 30, 2025
Accepted:	August 05, 2025
Available Online:	August 08, 2025

Keywords:

Caliphate
Quraish Tribe
Race
Linage
Leadership

Funding:

This research journal (PIIJISS) doesn't receive any specific grant from any funding agency in the public, commercial, or not-for-profit sectors.

Copyrights: CC BY

Copyright Muslim Intellectuals Research Center. All Rights Reserved © 2021. This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License

ABSTRACT

Some narrations found in the books of Hadith indicate that in the system of Islamic state, the position of Caliphate and leadership (Imamate) is exclusive to the Quraysh tribe. It means that being from Quraysh tribe is a necessary condition for assuming the Caliphate, and it is not permissible for a non-Qurayshi person to become a Caliph.

However, interpreting these narrations as a strict condition of Qurayshi lineage for the establishment of the Caliphate contradicts the general teachings of Islam, which negate any superiority based on race, lineage, or family background. Due to this reason, Islamic scholars hold different points of view regarding the necessary requirement of Qurayshi lineage for the Caliphate.

This research paper presents the linguistic and terminological meanings of Khilafah (Caliphate) and critically analyzes the various scholarly opinions on the necessity of Qurayshi lineage for assuming this position.

***Corresponding Author's Email:** muhammadibrahim7182@gmail.com

کتب حدیث میں موجود بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام ریاست میں خلافت وامامت کا منصب صرف قریش کے لیے خاص ہے یعنی انعقاد خلافت کے لیے قرشیت شرط ہے، غیر قریشی کا خلیفہ بننا جائز نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مسند احمد کی روایت ہے اَلاَئِمَّۃ مِن قُرَیشٍ[1] (امام قریش میں سے ہوں گے) نیز صحیح مسلم میں ہے:

((لا يزال هذا الامرفي قريش ما بقي من الناس اثنان))[2]

(یہ خلافت والا معاملہ ہمیشہ قریش میں رہے گا یہاں تک کہ انسانوں میں سے دو ہی آدمی باقی رہ جائیں۔)

لیکن ان روایات سے انعقاد خلافت کے لیے اشتراط قرشیت کی تفہیم دین اسلام کی عمومی تعلیمات کے منافی ہے جن میں رنگ و نسل اور خاندان کی بنیاد پر کسی برتری کی نفی کی گئی ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے انعقاد خلافت کے لیے اشتراط قرشیت کے بارے میں اہل علم میں مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں انعقاد خلافت کے لیے اشتراط قرشیت کے بارے میں مختلف اہل علم کی آرا کا جائزہ لیا گیا ہے۔

خلافت کا لغوی مفہوم

خلافت عربی زبان کا مصدر ہے۔ اس کا مادہ خ، ل، ف ہے اور اسی سے لفظ "خلیفہ" مشتق ہے۔ خلافت کے لغوی معنی نیابت، قائم مقامی اور جانشینی کے ہیں۔ یعنی اگر ایک شخص کسی

دوسرے شخص کے بعد اس کا نائب و قائم مقام بنے تو یہ خلافت ہوئی۔ ابن منظور افریقی لسان العرب میں لکھتے ہیں:

"خلف فلان فلاناً اذا کان خلیفته۔"[3]

(جب کوئی شخص کسی کا نائب اور قائم مقام بنے تو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص فلاں کا نائب اور قائم مقام بن گیا ہے۔)

جبکہ نائب اور قائم مقام ہونے والے کو لغت میں خلیفہ کہتے ہیں۔ جیسا ابن منظور نے کہا

" الخليفة الذي يستخلف ممَّن قَبْله۔"[4]

(جو شخص اپنے سے پہلے شخص کا نائب ہو اسے خلیفہ کہا جاتا ہے۔)

خواہ یہ نیابت سابق کی موت و عزل کی وجہ سے ہوئی ہو یا غیبت کی وجہ سے یا اپنا اختیار اور منصب سپرد کر دینے کی وجہ سے۔ چنانچہ امام راغب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں

"الخلافة النيابة عن الغير أما لغيبة المنوب عنه واما لعجزه واما لتشريف المستخلف۔"[5]

خلیفہ کی جمع خلائف آتی ہے جیسا کہ کریمۃ کی جمع کرائم آتی ہے۔ جبکہ جوہری کے بقول "خلیفہ کی تاء کو ساقط کر کے اس کی جمع خلفاء بھی لائی جاسکتی ہے۔ کیونکہ خلیفہ کا اطلاق اور استعمال مذکر کے ساتھ خاص ہے۔ پس یہ ظریف اور ظرفاء کی طرح ہے۔"[6] لیکن جوہری کے کلام میں ایک طرح کا تکلف ہے۔ جبکہ ابو حاتم اور ابن عباد کے قول کے مطابق اس تکلف کی ضرورت نہیں رہتی، کیونکہ ابو حاتم کے مطابق بغیر تاء کے "خلیف" کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے، لہذا خلیفہ کی تاء کو ساقط کر کے پھر اس کی جمع خلفاء لانے کا تکلف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی۔ چنانچہ ابن عباد نے المحیط میں اور ابن بری نے الامالی میں، ابو حاتم کا یہ شعر نقل کیا ہے:

إن مِنَ الحی موجوداً خليفته   وَمَا خَلَيْف أَبي وہب بموجود[7]

(حیّ کا نائب اور جانشین موجود ہے۔ اور ابو وہب کا نائب اور جانشین موجود نہیں ہے۔)

اس شعر میں ابو حاتم نے لفظ خلیف بغیر تاء کے استعمال کیا ہے۔ جبکہ ابن سکیت کے بقول لفظ خلیفہ کا استعمال مردوں کے ساتھ خاص ہے، اگرچہ اس میں تاء ہے۔ لہذا معنٰی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی جمع خلفاء استعمال کی جاتی ہے اور بسا اوقات لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے اس کی جمع خلائف استعمال کی جاتی ہے۔ اور پھر کبھی تو معنی کا اعتبار کرتے ہوئے ثلاث خلائف کہا جاتا ہے اور بسا اوقات لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ثلاثۃ خلائف کہا جاتا ہے۔[8]

خلافت کا اصطلاحی مفہوم

لفظ خلافت ان الفاظ میں سے ہے جن کو لغت میں عام معانی کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر قرآن حکیم نے اپنے مخصوص شرعی اصطلاحی معنی کے لیے اختیار کر لیا۔ مولانا ابو الکلام آزاد اپنی کتاب مسئلہ خلافت میں اصطلاحی مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قرآن کی زبان میں خلافت اور استخلاف فی الارض" اور وراثت اور تمکن فی الارض سے مقصود زمین کی قومی عظمت و ریاست اور قوموں اور ملکوں کی حکومت و سلطنت ہے۔ قرآن حکیم اس کو سب سے بڑی نعمت قرار دیتا ہے جو اچھے یقین اور اچھے کاموں کی بدولت اقوام عالم کو دنیا میں مل سکتی ہے۔"[9]

اہلیت خلافت کے لیے ضروری شرائط اور اوصاف

ایک خلیفہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کا نائب ہوتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ وہ ان صفات و کمالات اور خصائص سے متصف ہو جن سے ایک رسول متصف ہوتا ہے۔ اگرچہ خلیفہ میں نبی کی طرح فضائل موجود نہیں ہو سکتے، کیونکہ فرع، اصل کی طرح نہیں ہو سکتی۔ تاہم اس میں اوصاف نبوی کا پر تو ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ علما و فقہاء نے استحقاق خلافت و امارت اور انعقاد امامت کے لیے اپنے اپنے ذوق کے مطابق، شرائط متعین کیے ہیں۔ ابو الحسن علی بن محمد البغدادی الماوردی کے مطابق منصب خلافت کے لیے سات شرائط ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"اما اهلُ الاما مة فالشروط المعتبرة فيهمُ سبعة"[10]

(بہر حال امامت کے اہل میں سات شرائط معتبر ہیں۔)

علامہ ابن خلدون کے مطابق منصب خلافت کے لیے چار شرائط ہیں لیکن زیر نظر مقالہ میں انعقاد خلافت کی شرائط میں سے صرف ایک شرط قرشیت کے بارے میں اہلِ علم کی آراء کا تحقیقی و تنقیدی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

انعقاد خلافت کے لیے شرط قرشیت کی تحقیق

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اہلیتِ خلافت کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے یا نہیں، بعض علماء کا قول ہے کہ قریشی ہونا ضروری ہے اور بعض کا قول ہے کہ قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ ابنِ خلدون نے اس شرط کا ذکر کرتے ہوئے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:

" وَاختلِفَ فِي شَرطِ خَامِسٍ وَهُوَالنّسَبُ القُرشِيّ"[11]

(اور پانچویں شرط میں اختلاف کیا گیا ہے اور وہ قریشی النسب ہونا ہے۔)

علامہ ابن خلدون اور دیگر بعض علماء کا خیال ہے کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہے۔ وہ درج ذیل حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

((اَلاَئِمةُ مِن قُرَيشِ))[12]

ان حضرات کا طریقِ استدلال یہ ہے کہ اس حدیث میں خبر بمعنی امر ہے اور اس کی دلیل میں وہ یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

((قدموا قريشاً وَ لا تقدموها))[13]

(لیفہ بنانے میں قریش کو مقدم کرو اور خود ان پر مقدم نہ ہو۔)

اس حدیث میں قدّموا صریح امر کا صیغہ ہے، لہذا پہلی حدیث میں بھی خبر بمعنی امر ہے اور مطلب یہ ہے کہ ائمہ اور خلفاء قریش میں سے ہونے چاہئیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بعض علماء کے نزدیک خلیفہ کے لیے قریشی النسب ہونا ضروری نہیں ہے۔

دراصل خلافتِ قریش کے بارے میں جو بھی روایات منقول ہیں وہ سب کی سب خبر اور پیشین گوئی پر محمول ہیں۔ چنانچہ جب اس حدیث کے تمام طرق اور لفظوں کو جمع کر کے دیکھا جائے تو یہ حقیقت بغیر کسی اضطراب کے روشن ہو جاتی ہے کہ خلافتِ قریش سے متعلقہ تمام روایات خبر اور پیشین گوئی پر محمول ہیں نہ کہ امر و تشریع پر۔ چنانچہ اس پر مختلف قرائن، شواہد اور ثبوت موجود ہیں۔

ثبوتِ اوّل

یہ حدیث مختلف صحابہ رضوان اللہ سے مروی ہے اور عمدہ طرق وہ ہیں جو بخاری و مسلم نے اختیار کئے ہیں۔ ان میں سے کسی میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ مقصود تشریع وامر ہے نہ کہ پیشین گوئی۔ چنانچہ بخاری شریف کے الفاظ اس طرح ہیں:

((إن هذا الأمر فی قریش لا یُعادِیہم احد الاکبه الله علی وجهه ما اقاموا الدین۔))[14]

(یعنی خلافت اور امارت کا کام قریش میں رہے گا، ان سے کوئی عداوت نہ کرے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اوندھے منہ گرادے گا، جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے۔)

جبکہ مسلم شریف کے الفاظ اس طرح ہیں:

((عن ابی ہریرة رضی الله تعالی عنه الناس تبع لقریشفی هذا الشان مسلمہم لمسلمہم وکافرهم لِکَافِرِهم))[15]

اسی حدیث کے ایک اور طریق اور سند میں زیادہ وضاحت ہے:

((مسلِمُهُم تَبعُ لِمُسلِمِهِم وَکَافِرهُم تَبعُ لِکَافِرِهِم))[16]

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

((الناس تبع لقریش فی الخیروالشر))[17]

پس معلوم ہوا کہ اس حدیث کو مسئلہ خلافت سے اختصاص اور خلافت کی شرائط کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ یہ بتلانا مقصود ہے کہ عرب میں خاندان قریش کو حج کے اہتمام اور بیت اللہ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے، تمام قبائل کی سرداری حاصل تھی۔ چنانچہ ہر کام میں سب کی نظریں انہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ خواہ وہ خیر کی بات ہو یا پھر شر کی بات ہو۔ چنانچہ امام نوویؒ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

" معناه فِي الإسلام وَالْجَاهِلِيَّةِ لأَنَّهُم كانوا فِي الجاهلية رؤوساء العرب و اصحاب حرم الله و أهل الحج، وكانت العرب تنتظر اسلامهمفلما اسلموا وفتحت مكة تَبِعَهُمْ النَّاسُ ، وجائت وفود العرب من كل جهة ودخل الناس فِي دين الله افواجا"[18]

(اس کا معنٰی ہے کہ (لوگ) اسلام اور جاہلیت (دونوں حالتوں) میں (قریش کے تابع ہیں) کیونکہ وہ (قریش) جاہلیت میں عرب کے سردار، بیت اللہ کے پڑوسی اور اہل حج تھے، اور عرب کو ان کے اسلام کا انتظار تھا۔ چنانچہ جب وہ اسلام لائے اور مکہ فتح ہو گیا تو لوگوں نے ان کی پیروی کی اور ہر طرف سے وفود آنے لگے اور لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہونے لگے۔)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یہی حدیث حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس طرح روایت کی ہے:

((قریش ولاة هذا الام،فبرالناس تبع لبرهم، وفاجرهم تبع لفاجرهم))[19]

اس حدیث سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قریش کے علاوہ مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس حدیث میں محض خبر دی گئی ہے کہ امر خلافت کے والی قریش رہیں گے۔ باقی رہی یہ بات کہ قریش کب تک خلافت کے والی رہیں گے تو یہ حدیث مطلق ہے۔ جبکہ دیگر احادیث میں مختلف قید ذکر کی گئی ہیں، لہذا مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا۔

ثبوت دوم

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جابر بن سمرہ سے ایک اور حدیث روایت کی ہے:

((سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول یکون اثنا عشر امیر افقال کلمة لم اسمعها فقال ابی کلهم من قریش))[20]

صحیح مسلم میں سفیان بن عیینہ کے طریق سے یہ روایت اس طرح مروی ہے:

((لایزال امر الناس ماضیا ما ولیہم اثنا عشر رجلا ثم تکلم النبی صلی الله علیه وسلم بکلمة خفیت علیّ فسئلت ابی ماذا قال ؟ فقال کلهم من قریش))[21]

حصین بن عمران کے طریق سے یہ حدیث اسطرح مروی ہے:

((أن هذا الأمر لا ینقضی حتی یمضی فیهم اثنا عشر خلیفة))[22]

سماک بن حرب سے یہ حدیث اس طرح مروی ہے۔:

((لا یزال الاسلام عزیزاً الی اثنی عشر خلیفة))[23]

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ نے اسماعیل بن ابی خالد عن ابیہ سے یہ روایت اس طرح نقل کی۔:

((لایزال هذا الدین قائما حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع الامة علیه۔))24

ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ حدیث اس طرح منقول ہے:

((لا یزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلهم تجتمع علیه الامة۔))[25]

ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ حدیث اس طرح منقول ہے:

((لايزال امر امتی قائما حتی یمضی اثنا عشر خلیفة کلهم من قریش۔ فلما رجع الی منزله اتته قریش فقالوثم یکون ماذا؟ فقال ثم یکون الھرج۔))

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ آئندہ کے متعلق خبر دے رہے ہیں کہ یہ ضرور ہوگا کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور سب کے سب قریش سے ہوں گے۔ کسی دشمن کی دشمنی ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔ جب تک یہ بارہ خلفاء حکمران رہیں گے اسلام باعزت رہے گا اور لوگ خوشحال۔

ثبوت سوم

اس بارے میں تیسرا ثبوت اور شاہد وہ حدیث ہے جسے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ نے **باب الامراء من قریش** کی بنیاد بنایا ہے:

((کان محمد بن جبیر بن مطعم یحدث انه بلغ معاویة رضی الله تعالیٰ عنه وهو عنده فی وفد من قریش۔ ان عبد الله بن عمرویحدث انه، سیکون ملک من قحطان، فغضب فقام فأثنیٰ علی الله بما هو اهله، ثمقال : اما بعد فانهّ، بلغنی ان رجالا منکم یحدثون احادیث لیست فی کتاب الله ولا توثر عن رسول الله صلی الله علیه وسلم، وأولئك جهالکم، فایا کم و الامانی التي تضل اهلها، فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : ان هذا الامر فی قریش لا یعاد یهم احد الاکبه الله فی النار علی وجهه ما اقاموا الدین۔))[26]

(محمد بن جبیر بن مطعمؓ "بیان کیا کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مجلس میں وہ قریش کے ایک وفد کے ہمراہ موجود تھے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی کہ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے ہیں کہ عنقریب ایک قحطانی بادشاہ ہوگا۔ یہ سن کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غضبناک ہوگئے اور خطبہ دیا۔ کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ایسی احادیث بیان کرتے ہیں جو نہ تو قرآن میں ہیں اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ یہ لوگ جاہل ہیں، پس تم خود کو ایسی آرزوں سے دور رکھو جو گمراہ کرنے والی ہیں، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ یہ بات (حکومت) قریش ہی میں رہے گی۔ ان سے کوئی عداوت نہ کرے گا مگر اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں اوندھے منہ گرادے گا، جب تک قریش دین کو قائم رکھیں گے۔)

پس معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص وقت تک کے لیے پیشین گوئی تھی جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ چنانچہ جب تک قریش میں صلاحیت رہی تو اسلامی خلافت کے مالک وہی رہے اور جب وہ اس کے اہل نہ رہے تو عجم و ترک نے یہ بار اٹھالیا۔ باقی رہا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر انکار، تو یہ بھی صحیح نہ تھا۔ وہ صرف یہ بات سن کر گھبرا اٹھے کہ نئی بادشاہت بننے والی ہے، اصلیت پر غور نہیں کیا۔ قحطانی والی حدیث بطریق رفع ثابت ہے اور قریش کی خلافت والی حدیث میں "**ما اقاموا الدین**" کی قید موجود ہے۔ پس دونوں میں کوئی تعارض موجود نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ائمۂ حدیث نے حدیث قحطانی اور حدیث قریش میں تطبیق دیتے ہوئے صاف صاف لکھا ہے کہ امارت قریش والی روایت تشریع اور امر نہیں ہے بلکہ محض خبر اور پیشین گوئی ہے اور وہ بھی "**مااقاموا الدین**" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔ چنانچہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"هذا انکار من معاویة بلا تأمل و الا فقد جاء حدیث القحطاني مرفوعاً، وما ذکرفی المعارضة فهوحجة لمافیه من التقیید بقوله ما اقاموالدین"[27]

(امیر معاویہ کا انکار کر دینا ان کی بے غوری کا نتیجہ تھا اور نہ قحطانی والی حدیث مرفوعاً آئی ہے۔ اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث معارضہ میں پیش کی ہے وہ خود انہیں پر حجت ہے۔ کیونکہ اس میں "ما اقاموالدین" کی قید موجود ہے۔)

اسی طرح حافظ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الباری میں ابن التین کا قول نقل کیا:

((الذی انکره معاوية في حديث ما يقويه لقولهِ ما اقاموا الدین فربّما کان فیهم من لا یقیمه فیتسلّط القحطانی علیه و هو کلام مستقیم))[28]

(جس چیز کا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی حدیث میں انکار کیا ہے وہ درست نہیں ہے کیونکہ اس میں "ما اقاموا الدین" کی شرط ہے، پس ایسا ہو سکتا ہے کہ جب قریش میں ایسا خلیفہ ہو جو دین کو قائم نہ رکھ سکے تو اس پر قحطانی مسلط ہو جائے۔)

ثبوت چہارم

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دوسری روایت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذکر کی ہے:

لا یزال هذا الامر فی قریش مابقی منهم اثنان[29]

(یہ خلافت کا کام قریش میں رہے گا جب تک ان میں دو آدمی بھی باقی رہیں گے۔)

مولانا ابوالکلام آزاد اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حدیث کا منطوق صریح پیشین گوئی ہے اگر اس کا مطلب یہ قرار دیا

جائے کہ جب تک دو انسان بھی خاندان قریش میں باقی رہیں گے، خلافت انہی کے قبضہ میں رہے گی تو یہ واقعات کے باکل خلاف ہے۔ دو کی جگہ ہزاروں قریشی انسان موجود رہے اور خلافت قریش سے نکل گئی ۔پس ضرور ہے کہ "مابقی منھم اثنان" کے منطوق پر مفہوم کو ترجیح دی جائے اور وہ یہی ہے کہ اگر قریش میں دو آدمی بھی ایسے باقی رہیں گے جو خلافت کے اہل ہوں گے تو کبھی خلافت کے شرف سے یہ خاندان محروم نہ ہوگا۔ مگر جب انقلاب حال سے ایسا وقت آجائے کہ دو آدمی بھی اہل نہ رہیں تو مشیتِ الٰہی اپنے قانون انتخابِ اصلح کے مطابق دوسروں کو اس کام پر مامور فرمادے گی اور قریش خلافت سے محروم ہو جائیں گے۔"[30]

ثبوت پنجم

ترمذی کی روایت میں امارت قریش کے ساتھ دو اور باتوں کا بھی ذکر ایک ہی سلسلے اور ایک ہی اسلوب میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق ابو مریم انصاری روایت کرتے ہیں:

((الملك فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشة۔))[31]

جبکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے اس حدیث کو کثیر بن مرہ سے یوں روایت کیا:

((الخلافة فی قریش والحکم فی الانصار والدعوة فی الحبشة۔))[32]

اس حدیث میں ایک ساتھ تین باتوں کا ذکر ہے۔ خلافت و بادشاہت قریش میں، قضاء و حکم انصار میں اور اذان و دعوت اہل حبش میں۔ پس اگر خلافت قریش والی حدیث کو امر اور تشریع پر محمول کیا جائے اور خلافت کو قریش کے ساتھ خاص قرار دیا جائے تو پھر منصب قضاء کو انصار کے ساتھ اور اذان کو اہل حبشہ کے ساتھ مخصوص ماننا پڑے گا۔ حالانکہ کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ قاضی کے لیے انصاری اور مؤذن کے لیے حبشی ہونا ضروری ہے۔ پس جس طرح یہ حدیث دوسری دو باتوں یعنی قضاء اور اذان کے بارے میں خبر اور پیشین گوئی پر محمول ہے اسی طرح خلافت کے بارے میں بھی خبر اور پیشین گوئی پر محمول کی جائے گی۔

ثبوت ششم

امام احمد، ابو یعلیٰ، طبرانی اور ابو داؤد طیالسی وغیرہ کی روایت سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ خلافت قریش والی حدیث محض خبر اور پیشین گوئی ہے نہ کہ امر و تشریع۔ چنانچہ حدیث مبارکہ ہے کہ

((الائمة من قریش اِنَ لِی عَلِیکُم حقاَ ولَھُم عَلَیکُم حقاَ مِثلَ ذَلِکَ ما اِن استُرحِمُوا رحموا، واِن عَا ھَدُوا وَفَوا وان حَکَمُوا عَدَلوا، فَمَن لَم یَفعَل ذَلِکَ منھُم فَعَلَیهِ لَعنَةُ الله والملائِکَةِ والنّاسِ اَجمَعِینَ۔))[33]

اور ابو یعلیٰ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

الا ان الامراء من قریش، الا ان الامراء من قریش، الا ان الامراء من قریش ما اقاموا بثلاث الخ۔[34]

اسی طرح امام احمد و ابو یعلیٰ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے:

((امعشر قریش، فانکم اهل هذا الامر ما اطعتموا الله، فاذا عصیتموه بعث الله علیکم من یلحاکم کما یلحیٰ هذا القضیب۔))[35]

(اے جماعتِ قریش! جب تک تم اللہ کی اطاعت کرتے رہو گے تم ہی اس بات کے اہل ہو لیکن اگر تم اللہ کی نافرمانی کرو گے تو یاد رکھو اللہ تم پر ایسے لوگوں کو مسلط کر دے گا جو تم کو چھڑی کی طرح موڑ دیں گے۔)

یہ روایات صراحتاً دلالت کر رہی ہیں کہ خلافت قریش والی تمام روایات محض خبر اور پیشین گوئی ہیں، نہ کہ تشریع و امر۔ نیز پہلے سے خبر دے دی گئی ہے کہ خلافت ہمیشہ انہی میں نہیں رہے گی۔

ثبوت ہفتم

جن حضرات نے خلافت کو قریش کے ساتھ مخصوص کرنا چاہا ان کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا کہ ان تمام روایات کا منطوق خبر ہے نہ کہ امر اور کیونکہ کوئی دوسری دلیل ایسی موجود نہ تھی جس سے ان کا مدعا ثابت ہو سکے چنانچہ وہ اس بات پر مجبور ہوئے کہ انہی روایات کو تاویل اور توجیہ کر کے امر اور تشریع پر محمول کریں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے قرطبیؒ کی نسبت لکھا ہے:

((وکانّه جنح الی انهّ خبر بمعنی الامر۔))[36]

(گویا کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ یہ خبر امر کے معنی میں ہے۔)

اسی طرح ابن منیر لکھتے ہیں:

((والحدیث وان کان بلفظ الخبر فهو بمعنی الامر کانهّ، قال ائتموا بقریش خاصة۔))[37]

(اور حدیث اگرچہ لفظ خبر کے ساتھ ہے لیکن یہ معنی میں امر کے ہے گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاص طور پر قریش کو امام اور خلیفہ بناؤ۔)

پس جب ان روایات کا منطوق خبر ہے نہ کہ امر اور کوئی دلیل بھی موجود نہیں نہ قرآن میں، نہ سنت میں اور نہ اقوال صحابہ میں تو کوئی مجبوری نہیں ہے کہ تاویلات کی جائیں اور نص کو بلاوجہ ظاہر و منطوق سے مصروف کیا جائے۔

باقی رہا "قدموا قریشا ولا تعتدوها" سے استدلال تو یہ بھی درست نہیں ہے، کیونکہ اس زمانے میں قریش کو ہر طرح کی تقدیم و سیادت حاصل تھی لوگ ان کی سیادت سے متاثر تھے اس لیے فرمایا کہ اس بات کا لحاظ رکھا کرو۔[38]

اسی طرح الائمۃ من قریش" سے بھی استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت بطریق اتصال ثابت نہیں۔ چنانچہ حافظ ابن حجر العسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

((ومن حديث ابى بكر الصديق بلفظ (الائمة من قريش) ورجاله رجال الصحيح لكن فى سنده انقطاع))[39]

(اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث الائمۃ من قریش کے رجال صحیح کے ہی رجال ہیں لیکن اس کی سند میں انقطاع ہے۔)

ثانیاً اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ خلافت اور امارت صرف قریش کے ساتھ خاص ہے اور قریش کے علاوہ کسی کے لیے بھی خلیفہ بننا جائز نہیں ہے۔ بلکہ یہ آئندہ کی نسبت خبر اور پیشین گوئی ہے۔

ثالثا الناس تبع لقریش والی روایت سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ سقیفہ میں حضرت ابو بکر صدیق کا استدلال صرف قریش کی بزرگی اور عظمت سے متعلق تھا نہ شرائط امامت سے۔ چنانچہ حضرت ابو کر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مشہور جملہ اس مسئلہ کی پوری وضاحت کر دیتا ہے جو انہوں نے سقیفہ میں کہا تھا:

((ان العرب لا تعرف هذا الامر لغير هذا الحیّ))[40]

• اہل عرب قریش کے سوا کسی اور قبیلے کی سرداری سے آشنا نہیں۔)

پس یہاں شرائط شرعیہ کا سوال ہی نہ تھا بلکہ صرف ملکی اور وقتی مصالح کی بناپر استدلال تھا کہ ایسے قبیلہ وخاندان سے خلیفہ اور امام ہونا چاہئے جس کی سرداری عرب کے تمام قبائل بلا چون وچرا تسلیم کرلیں۔ رابعاً یہی روایت دوسرے طریق سے صاف صاف خبر کی صورت میں آئی ہے امر و تشریع کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ چنانچہ ابن اسحاق نے کتاب الکبیر میں روایت کیا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سقیفہ میں فرمایا:

((ان هذا الامر فى قريش ما اطاعوا الله واستقاموا على امره))[41]

(یہ بات قریش میں رہے گی جب تک وہ اللہ کی اطاعت کریں گے اور اس میں مستقیم رہیں گے۔)

پس معلوم ہوا کہ امام احمد والی روایت میں راوی نے بقیہ ٹکڑا چھوڑ دیا ہے اور صرف الائمہ من قریش" لے لیا ہے ورنہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہی بات فرمائی تھی جو دیگر احادیث مرفوعہ میں بطور خبر ثابت ہو چکی ہے۔ مختصر یہ کہ انعقاد خلافت کے لیے اشتراط قرشیت کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک خلیفہ کے لیے قریشی النسب ہونا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"والمشهور فى كتب الكلام ان القريشية شرط للخلافة الكبرىٰ وفى الدر المختار، فى باب الأمامة: ان الاما مة على نحوين: امامة صغرى، وامامة كبرىٰ، وتشترط القريشية فى الكبرى :نعم فى مواهب الرحمٰن: انها ليست بشرط عند امامنا وفى تحرير المختار فى المناقضات على رد المختار لعالم مصرى ،عن ابى يوسف مثله"[42]

(علم کلام کی کتابوں میں مشہور ہے کہ خلافت کے لیئے قریشی ہونا شرط ہے اور در مختار، باب الامامہ میں ہے کہ امامت کی دو قسمیں ہیں: امامت صغریٰ اور امامت کبریٰ۔ امامت کبریٰ میں قرشیت کی شرط ہے۔۔۔ البتہ مواھب الرحمٰن میں ہے: ہمارے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک قرشیت شرط نہیں ہے۔۔۔ اور تحریر المختار فی المناقضات علی رد المحتار میں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے بھی اس کی مثل ہے)

مولانا ابو الاعلی مودودیؒ نے اس مسئلہ کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان کے نزدیک بھی تمام حالتوں میں انعقاد خلافت کے لیے قریشی النسب ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"دوسرے مسئلہ کے بارے میں امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ تھی کہ خلیفہ قریش ہی میں سے ہونا چاہیے اور یہ صرف انہیں کی نہیں تمام اہل سنت کی متفق علیہ رائے تھی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اسلامی خلافت از روئے شریعت صرف ایک قبیلے کا دستوری حق تھی، بلکہ اس کی اصل وجہ اس وقت کے حالات تھے جن میں مسلمانوں کو مجتمع رکھنے کے لیے خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری تھا۔ ابن خلدون نے یہ بات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کی ہے کہ اس وقت اسلامی ریاست کی اصل پشت پناہ عرب تھے۔ اور عربوں کا زیادہ سے زیادہ اتفاق اگر ممکن تھا تو قریش ہی کی خلافت پر۔ دوسرے کسی گروہ کا آدمی لینے کی صورت میں تنازع اور افتراق کے امکانات اتنے زیادہ تھے کہ خلافت کے نظام کو اس خطرے میں ڈالنا مناسب نہ تھا۔"[43]

اسلامی تعلیمات سے معمولی واقفیت رکھنے والا شخص بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ خاندانی اور نسلی امتیازات کو مٹانے کے لیے اسلام نے کتنا زور دیا ہے۔ اسلام نے اپنی دعوت کی سب سے پہلی اور کاری ضرب غرور نسل و قوم پر لگائی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس قانون فطرت کی عام منادی کی:

"يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَاۗىِٕلَ.........الخ"[44]

(یعنی ہر طرح کی بزرگی اور فضیلت کی بنیاد صرف عمل ہے، قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اس لیے ہے کہ باہم دیگر پہچان اور تمیز کا ذریعہ ہو، اس لیے نہیں کہ ایک دوسرے پر اپنی بڑائی جتلائے۔ سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب زیادہ متقی ہو۔)

نیز فرمایا:

"وَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۔وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۔وَاَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی"[45]

(یعنی ہر انسان اپنے کاموں کا خود ذمہ دار ہے اور انسان کی تمام کامیابیوں اور سعادتوں کی بنیاد صرف اس کی کوشش اور اس کا عمل ہے۔)

اسی طرح آپ ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں جو آخری پیغام امت کو دیا اس میں بھی آپ ﷺ نے نوعِ انسانی کی عام مساوات کا اعلان فرمایا چنانچہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء آدم۔))[46]

نیز آپ ﷺ نے فرمایا:

((لیس لاحد فضل علی احد الا بدین و تقویٰ کلھم بنو آدم وادم من تراب۔))[47]

یعنی اسلام کا ظہور اور قیام نوع انسانی کی مساوات اور باہم دیگر برابری کا اعلان ہے۔ اب نہ تو کسی عربی کو عجمی پر اور نہ ہی کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے۔ سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور وہی سب سے بڑا ہے جو عملاً اور تقویٰ میں بڑا ہو۔

مولانا ابو الکلام آزاد نے اشتراط قرشیت کے متعلق بہت ہی عمدہ اظہار خیال فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"جہاں تک قرآن وسنت، آثار صحابہ اور تمام دلائل شرعیہ وعقلیہ کا تعلق ہے، کوئی نص قطعی موجود نہیں، جس سے ثابت ہو کہ اسلام نے معاملہ خلافت وامامت صرف خاندان قریش کے لیے شرعاً مخصوص کر دیا ہے۔ احادیث اس بارے میں جس قدر موجود ہیں سب صحیح ہیں یہ بھی مروی ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجمع صحابہ میں اس کو پیش کیا اور کسی نے انکار نہ کیا۔ یہ بھی درست ہے کہ صحابہ میں ہمیشہ اس بات کی شہرت رہی اور یہ بھی غلط نہیں کہ جب تک خاندان عباسیہ باقی رہا، لوگ اس کو بطور ایک شرط کے سمجھتے رہے۔ بایں ہمہ ان ساری باتوں کی حقیقت وہ نہیں ہے جو اب سمجھی جاتی ہے۔ ان ساری باتوں کے سچ ہونے کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ اسلام نے خلافت کو نہ کسی قوم میں مخصوص کیا ہے نہ کسی خاندان میں۔ اسلام جو اس طرح کے تمام قومی ونسلی امتیازات مٹانے اور ہمیشہ کے لیے صرف انسانیت کی بے قید وعام عظمت قائم کر دینے اور "عمل" کے قانون الٰہی کے آخری اعلان کے لیے آیا تھا اس کے نام سے ساری باتیں مان لی جاسکتی ہیں لیکن اس کا وہم وگمان بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے خاندان ونسل کا کوئی امتیاز تسلیم کیا ہو۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ امتیاز نسب کے جس بت کو خود اس نے توڑا ہو، انہی ٹکڑوں کو پھر جوڑ کر از سر نو ایک نیابت خانہ قائم کر جائے؟"[48]

مولانا ابو الکلام آزاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں:

"پھر کیا ایسی حالت میں ایک لمحہ کے لیے بھی یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ اسلام کا داعی تمام دنیا کو تو قومی ونسلی امتیازات کی غلامی سے نجات دلانا چاہتا ہو اور مساوات عامہ کی طرف بلا رہا ہو لیکن (نعوذ باللہ) خود اس درجہ خود غرض ہو کہ قیامت تک کے لیے پادشاہی وخلافت صرف اپنے ہی خاندان کے لیے مخصوص کر دے؟ وہ تمام نوعِ انسانی کو تو کہے کہ تمہارے سارے بنائے ہوئے حق جھوٹے ہیں۔ سچا حق صرف عمل اور اہلیت کا ہے لیکن خود اپنے لیے یہ کر جائے کہ نہ تو عمل اور نہ اہلیت بلکہ صرف ملک، صرف قوم، صرف نسل اور صرف خاندان؟"[49]

ایک شبہ اور اس کا ازالہ

یہاں ایک شبہ پیدا ہوتا ہے کہ امام نووی[50] رحمۃ اللہ علیہ، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اور ابو الحسن علی بن محمد البغدادی الماوردی[51] رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو انعقادِ خلافت کے لیے اشتراط قرشیت پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر یہ اختلاف کہاں سے آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اوّلاً تو اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین خلافت کو شرعی طور پر قریش کے ساتھ مختص مانتے ہوں۔ بلکہ اس کے خلاف شواہد موجود ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے:

((فِاِن اَدرَکَنِی اَجَلی وَقَد تُوفِّیَ ابو عبیدۃ استخلفت معاذ بن جبل))[52]

(اگر مجھے موت آئے اور ابو عبیدہ وفات پا چکے ہوں تو معاذ بن جبل کو خلیفہ بناؤں گا۔)

مسند احمد میں ابو رافع کی روایت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک اور قول منقول ہے:

((لو ادرکنی احد رجلین ثم جعلت الامر الیہ لوثقت بہ سالم مولیٰ ابی حذیفہ و ابو عبیدۃ بن الجراح۔))[53]

(اگر سالم مولی حذیفہ اور ابو عبیدہ بن الجراح میں سے کوئی ایک میری وفات تک زندہ رہتا اور میں خلافت اس کے سپرد کر دیتا تو مجھے اس پر پورا اعتماد اور اطمینان ہوتا۔)

پس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی موجودگی میں معاذ بن جبل، ابو عبیدۃ اور سالم مولی حذیفہ کو خلافت سپرد کرنے کا ارادہ کرنا اور صحابہ کا اس پر انکار نہ کرنا اس بات کا بیّن اور واضح ثبوت ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ کیونکہ معاذ ابن جبل انصاری ہیں۔ نہ کہ قریشی خود ائمہ متاخرین کو بھی اس بات کا اعتراف کرنا پڑا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر، قاضی عیاض کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

"قلت ويحتاج من نقل الاجماع الى تاويل ما جاء عن عمر من ذالك ، فقد اخرج احمد عن عمر بسند رجاله ثقات انه قال ان ادركني اجلي و ابو عبيدة حي استخلفته فذكر الحديث و فيه فان ادر كني اجلي و قدمات ابو عبيدة استخلفت معاذ بن جبل الحديث و معاذ بن جبل انصاری لانسب له في قريش، فيحتمل ان يقال : لعل الاجماع انعقد بعد عمر على اشتراط ان يكون الخليفة قرشيا او تغير اجتهاد عمر في ذالك"[54]

(یعنی یہ جو قاضی عیاضؒ نے کہا ہے کہ خلافت کے مخصوص بہ قریش ہونے پر اجماع ہو چکا ہے تو اجماع ماننے کی صورت میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کی تاویل کرنی پڑے گی جو امام احمدؒ نے بسند صحیح معاذ بن جبل کے استخلاف کی نسبت روایت کیا ہے، پس ہو سکتا ہے کہ شاید یہ اجماع حضرت عمر کے بعد ہوا ہے یا یوں کہا جائے کہ حضرت عمر کا اجتہاد بدل گیا۔)

لیکن یہ تاویلات کئی وجوہ سے ناقابل التفات ہیں۔ اولاً جب اشتراط قرشیت کی کوئی نص شرعی موجود نہیں تو تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ثانیاً کہاں تو دعویٰ کیا جا رہا تھا کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہی صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا اس بات پر اجماع ہو گیا تھا کہ خلافت کے حقدار صرف قریش ہی ہیں۔ اور کہاں اب یہ تاویل کی جا رہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد اجماع ہوا ہے۔

در اصل بات یہ ہے کہ چونکہ ابتداء سے خلافت پر قریش ہی کا قبضہ ہوا اور یکے بعد دیگر تمام خلفاء اور سلاسل حکومت قریشی ہی ہوئے اس لیے لوگوں کو خیال ہوا کہ شرعی فیصلہ بھی یہی ہے اور اس پر اجماع ہے ورنہ حقیقت میں اس بارے میں اجماع صحابہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ نیز خلافت قریش سے متعلق تمام روایات آئندہ کی خبر اور پیشین گوئی پر محمول ہیں جیسا کہ ماقبل میں ثابت کیا جا چکا ہے اور پیشین گوئی کا جب تک کامل طور پر ظہور نہ ہو جائے اس کے معانی و مطالب کی نسبت کسی قطعی بات کا اختیار کرنا مشکل ہوتا ہے کیونکہ عموماً پیش گوئیوں کا ایک خاص مبہم انداز بیان ہوتا ہے اور نہایت اختصار و اجمال کے ساتھ محض اشارات کیے جاتے ہیں۔ جب تک ان کا ظہور نہ ہو جائے اشارات کی تفصیل اور اوصاف کے انطباق میں طرح طرح کی لغزشیں پیش آسکتی ہیں۔

احادیث متعلقہ بظہور الدجّال اس کی واضح مثال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے تمام غیر معمولی اوصاف بیان کر دیے تھے۔ لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں اختلاف ہوا اور اپنے عہد کے مختلف اشخاص کو بعض اوصاف کے اشتراک کی وجہ سے دجال سمجھتے رہے۔

مختصر یہ کہ جب تک خلافت قریش میں رہی تو لوگوں کو خیال ہوا کہ خلافت شرعاً بھی اسی خاندان کے ساتھ خاص ہے اور تمام احادیث کا مطلب بھی یہی ہے۔ وہ ان احادیث کا مطلب صرف اپنے وقت کے حالات کی روشنی میں دیکھ رہے تھے اگر وہ بعد کے حالات دیکھ لیتے تو انہیں بھی معلوم ہو جاتا کہ مقصود تشریع و حکم نہ تھا بلکہ محض خبر دی گئی تھی۔

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد امام نوویؒ کے قول:

"وقد ظهر ما قاله، فمن زمنه إلى الآن الخلافة في قريش منغير مزاحمة لهم فيها، وتبقى كذالک مابقى اثنان كما قاله۔"[55]

(یعنی جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے اب تک خلافت بغیر کسی رکاوٹ کے قریش ہی میں رہی اور آئندہ بھی ہمیشہ انہی میں رہے گی جب تک دو قریشی بھی دنیا میں باقی رہیں گے۔)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حافظ نووی کا سال وفات 676ھ ہے اور سال پیدائش 631ھ یا اس سے بھی پہلے۔ آخری خلیفہ المستعصم کو ہلاکو نے 656 میں قتل کیا۔ پس گویا ان کی وفات فتنہ تاتار کے بعد ہوئی۔ لیکن ان کی تصنیف و تالیف کا زمانہ مستعصم کی خلافت ہی کا زمانہ ہے۔۔۔ پس وہ اپنے زمانے تک خلافت کو صرف قریش ہی میں قائم دیکھ کر احادیث باب کے اسی مطلب پر قانع اور جمے ہوئے ہیں۔ اور اسی لیے "مابقی منهم اثنان" کا بھی یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جب تک خاندان قریش کے دو انسان بھی دنیا میں باقی رہیں گے، خلافت انہی میں رہے گی۔ لیکن اگر ان کو اپنے بعد کا حال معلوم ہوتا تو کیا وہ ایسا دعویٰ کر سکتے تھے؟ کیا اس صورت میں اپنی تمام رائے پر نظر ثانی نہ کرتے؟ کیا وہ جانتے تھے کہ عنقریب صفحہ الٹنے والا ہے اور خلافت نہ صرف قریش سے بلکہ عرب ہی سے رخصت ہو جانے والی ہے۔"[56]

اسی سے حافظ سیوطی کی تاریخ الخلفاء کے ابتداء میں قائم کیے گئے ایک باب "احادیث المبشرہ بخلافتہ بنی العباس"[57] میں بیان کی گئی احادیث جن میں بنو عباس کو خلافت پانے کی بشارت دی گئی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ تمہاری خلافت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول تک رہے گی، کی توجیہ بھی سمجھ آجاتی ہے کہ یہ تمام روایات اگرچہ قطعی جھوٹی ہیں اور تمام ائمہ حدیث نے ان کے وضعی ہونے پر اتفاق کیا ہے۔ لیکن چونکہ اس وقت تک عباسیوں میں خلافت کا انتساب باقی تھا اور واقعات کی بنا پر اس پیشین گوئی کی تکذیب نہیں ہو سکتی تھی اس لیے حافظ سیوطی نے ان کے لیے ایک خاص باب قائم کیا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ دیباچہ میں ان احادیث سے یقین کے لہجہ میں استدلال کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

" ان الحديث ورد بان هذا الامر اذا وصل الى بنى العباس لاّ يخرج عنهم حتى يسلموا الى عيسى ابن مريم او المهدى[58]

(یہ بات حدیث میں آچکی ہے کہ جب یہ خلافت بنو عباس تک پہنچے گی تو پھر انہیکے قبضہ میں رہے گی یہاں تک کہ وہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام یا امام مہدی کے سپرد کر دیں گے۔)

چنانچہ مولانا ابوالکلام آزاد، حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اس استدلال پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"اگر حافظ سیوطی پچیس برس اور زندہ رہتے اور دیکھ لیتے کہ خلافت و حکومت کا نام ونشان تک عباسیہ میں باقی نہ رہا پھران کو پورا یقین ہو جاتا کہ عباسیہ کو آخر عہد تک خلافت و بادشاہت کی کوئی بشارت نہیں دی گئی اور یقیناً یہ تمام حدیثیں وضعی ہیں۔ جیسا کہ ائمہ اثر فیصلہ کر چکے ہیں۔"[59]

مختصر یہ کہ خلافت عباسیہ کے تنزل اور عجمی حکومت کے ظہور و عروج کے ساتھ ہی علماء کی آراء میں بھی بتدریج تغیر شروع ہو گیا اور اشتراط قرشیت میں وہ زور باقی نہ رہا جو قاضی عیاض وغیرہ کی تصانیف میں دیکھا جاتا ہے۔ اکثر علماء نے جب دیکھا کہ ما اقاموا الدین کی شرط کا ظہور شروع ہو گیا ہے اور حکومت قریش کے قبضہ سے نکل گئی ہے تو ان کی رائے بدل گئی اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے دعوائے اجماع میں تامل کرنے لگے۔ چنانچہ علامہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"لما ضعف امر قريش و تلاشت عصبيتهم بمانا لهم من الترف والنعيم، و بما انفقتهم الدولة في سائر اقطار الارض عجزوا بذلك عن حمل الخلافة و تغلبت عليهم الاعاجم و صار الحل والعقد لهم، فاشتبه ذلك على كثير من المحققين حتى ذهبوا الى نفي اشتراط القرشية۔"[60]

(جب قریش کی قوت کمزور ہو گئی اور عیش پرستیوں میں مبتلاء ہو کر اپنی عصبیتمٹادی اور زمین کے تمام قطعات میں ان کیحکومت فنا ہو گئی تو وہ خلافت کا بوجھ اٹھانے سے عاجز آ گئے اور عجمیوں نے ان پر غلبہ حاصل کر لیا اور خلافت کا فیصلہ انہی کے قبضہ میں چلا گیا۔ پس یہ انقلاب دیکھ کر بہت سے محققین کے نزدیک قرشیت کی شرط مشتبہ ہو گئ حتی کہ انہوں نے اس شرط سے انکار کر دیا۔)

اشاعرہ کے امام الائمہ قاضی ابو بکر باقلانی نے بھی یہی مذہب اختیار کیا تھا کہ شرط قرشیت ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں:

"ومن القائلين بنفي اشتراط القرشية القاضي ابوبكر الباقلانی"[61]

بغداد میں خلافت عباسیہ کے خاتمہ کے بعد مصر میں عباسی خلافت کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس لیے اس عہد کے علماء مصر مثلاً حافظ ابن حجر، قاضی عینی اور جلال الدین سیوطی وغیرہ نے قریشی خلافت کو فی الجملہ قائم دیکھتے ہوئے اشتراط قرشیت پر زور دیا۔ لیکن جب یہ نقش بھی مٹ گیا اور وہ زمانہ آیا جس کی پہلے ہی سے خبر دے دی گئی تھی تو جو اہل علم اس انقلاب کے بعد پیدا ہوئے۔ انہوں نے صاف صاف لکھ دیا کہ اشتراط قرشت کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی خلافت قریش سے متعلقہ احادیث کا وہ مطلب ہے جو اب تک سمجھا جاتا رہا ہے۔ چنانچہ تیرہویں صدی کے مشہور مجدد فقہ و حدیث امام شوکانی یمنی اپنی کتاب "وبل الغمام" میں اشتراط قرشیت کے دلائل نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"و لاريب انا فی بعض هذه الالفاظ ما يدل على الحصر، ولكن قد خصص مفهوم هذ الحصر احاديث وجوب الطاعة على العموم، وبذالك صرح القرآن الكريم، على انه، قد ورد ما يدل على وجوب الطاعة لغير القرشي على الخصوص ،۔۔۔ثم الاخبار منه صلى الله عليه وسلم بان الائمة من قريش، هوكالاخبارمنه صلى الله عليه وسلم بان الاذان فی الحبشة، والقضاء في الأزد، وما هو الجواب عن هذافهو الجواب عن ذالك"[62]

(یعنی اگرچہ امامت قریش والی روایات میں بعض ایسے الفاظ موجود ہیں جو امامت کے قریش میں منحصر ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ لیکن اطاعت امام کے وجوب کے متعلق جو عام احکام کتاب وسنت میں موجود ہیں، وہ دلالت کرتے ہیں کہ غیر قریشی امام کی اطاعت بھی قریشی امام کی اطاعت کی طرح واجب ہے۔۔۔ باقی رہی یہ بات کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش میں امامت کی خبر دی تو یہ ویسی ہی خبر ہے جیسی اس بارے میں خبر دی کہ اذان حبشیوں میں ہے اور قضاء ازدیوں میں، پس جو جواب ان کا دیا جائے گا وہی جواب اس کا ہو گا۔)

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ جن جن علماء حدیث و کلام کے اقوال سے یہ اجماع ثابت کیا جاتا ہے، وہ سب کے سب اسی عہد کے ہیں جبکہ عباسی خلافت قائم تھی۔ اور بعد والوں نے جو کچھ لیا ہے انہی سے لیا ہے۔ اس بارے میں سب سے زیادہ اعتماد قاضی عیاض کے قول پر کیا جاتا ہے جن کا سن وفات 544ھ ہے۔ لیکن ساتویں صدی ہجری میں جب خلافت بغداد کا خاتمہ ہو گیا تو بتدریج علماء کے افکار بھی بدلنے لگے۔ حافظ عسقلانی اور علامہ بدرالدین عینی جو آٹھویں صدی ہجری کے اواخر یانویں صدی ہجری کے اوائل میں بخاری کی شرح لکھ رہے تھے، ان کے افکار قاضی عیاض اور امام نووی سے مختلف نظر آتے ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی بخاری کی حدیث معاویہ "ما اقاموا الدین" کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ای مدة اقامتهم امور الدين قيل : يحتمل ان يكون مفهومه : فاذا لم يقيموه فلا يسمع لهم۔"

(یعنی یہ جو حدیث میں ہے کہ جب تک دین قائم رکھیں گے تو اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب وہ وقت آ جائے کہ قریش اقامت دین نہ کریں تو ان کی بات نہیں سنی جائے گی۔)[63]

حافظ عسقلانی اگرچہ اشتراط قرشیت سے صاف صاف انکار نہیں کرتے لیکن طرز بحث

کے اضطراب نے خود بہ خود مسئلہ کا مخالف پہلو قوی کر دیا ہے۔اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ وہ اس بارے میں کوئی قوی اور دوٹوک رائے نہیں رکھتے اور اگر مائل ہیں تو انکار کی طرف۔ اشتراط قرشیت کے جس قدر دلائل ہیں ان میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں جس پر انہوں نے سنگین اعتراضات نہ کئے ہوں اور وہ مجروح ہو کر نہ رہ گئی ہو۔

کیونکہ مولانا احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ کے لیے قریشی ہونے کی شرط کو لازمی قرار دیا ہے اس لیے انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ پر شدید تنقید کی ہے اور ان کے اس دعوے کا رد کیا ہے کہ "الائمۃ من قریش" اور اس مضمون کی دیگر احادیث خبر پر محمول ہیں نہ کہ تشریع اور امر پر۔ مولانا احمد رضا خانؒ نے مولانا ابوالکلام آزادؒ کی اس دلیل کا بھی رد کیا ہے کہ اسلام میں حسب و نسب کا کوئی امتیاز نہیں اس بارے میں ان کا کہنا ہے کہ "یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبع زاد نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے"۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''کس قدر احادیث کثیرہ نے کہاں کہاں فضیلت نسب کا اعتبار فرمایا ہے اور نکاح میں شرعاً اعتبار کفائت سے تو عالم بننے والے جہال بھی ناواقف نہ ہوں گے، جس سے تمام کتب فقہ گونج رہی ہیں اور اس میں خود احادیث وارد ہیں۔''[64]

مولانا احمد رضا خان کا یہ اعتراض اور تنقید بے جا ہے۔ مولانا کو اس سلسلے میں تسامح ہوا ہے۔ دراصل امور و معاملات کی دو قسمیں ہیں:

1. **انفرادی امور و معاملات**
2. **اجتماعی امور و معاملات**

بہت سے انفرادی معاملات میں شریعت نے حسب و نسب کے امتیاز کا اعتبار کیا ہے جیسا کہ نکاح میں کفائت اور برابری کا اعتبار کیا گیا ہے۔ کیونکہ نکاح دراصل دو افراد کے درمیان ایک ایسا معاہدہ ہے جس سے دو خاندان بھی وابستہ ہوتے ہیں۔ نکاح کے ذریعے سماج میں ایک نیا خاندانی یونٹ تشکیل پاتا ہے۔پس سماج میں ناگوار لہریں پیدا ہونے کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ ہر نیا یونٹ اس طرح تشکیل دیا جائے کہ سماج میں کوئی اتھل پتھل نہ ہو۔اس کے لیے ضروری ہے کہ نیا خاندان تشکیل دینے والے جوڑے میں مذہبی، سماجی اور ثقافتی ہم آہنگی ہو۔ اسی مطلوب ہم آہنگی کو "کفو" کہا جاتا ہے اور اس کا مقصد صرف اور صرف Smooth Sailing ہے اور بس۔ لیکن جہاں تک اجتماعی امور کی بات ہے تو ان میں شریعت نے کسی قسم کے حسب و نسب کے امتیاز کا اعتبار نہیں کیا بلکہ ان کی بنیاد صرف اور صرف اہلیت پر رکھی گئی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

> **''یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ''**[65]
>
> (اے لوگو، ہم نے تم کو جو خاندانوں اور گروہوں میں تقسیم کیا ہے تو یہ محض اس لیے کہ یہ چیز تمھارے لیے شناخت اور تعارف کا ذریعہ بنے۔ اللہ کے نزدیک عزت والا تم میں سے وہ ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا ہے۔)

اسی طرح حدیث میں وارد ہے کہ کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، مگر دین اور تقویٰ کے پہلو سے۔

یہی وجہ ہے کہ اخیر وقت میں جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ خواہش کی گئی کہ آپ اپنے بعد خلافت کے لیے کسی کو نامزد فرمادیں تو بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا کہ کس کو نامزد کروں؟ اگر معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ زندہ ہوتے تو ان کو نامزد کر دیتا۔ اگر میرا رب مجھ سے پوچھتا کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زمام کس کے ہاتھ میں دے کے آئے ہو؟ تو میں عرض کر دیتا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے، اس لیے کہ میں نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ قیامت کے دن تمام علما کے آگے آگے ہوں گے۔

اسی طرح انھوں نے سالم مولیٰ ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کہ اگر سالم زندہ ہوتے تو انتخاب خلیفہ کے لیے جو شوریٰ میں نے بنائی ہے، اس کی نوبت ہی نہ آتی۔ میں خلافت کے لیے ان کو نامزد کر دیتا۔

غور فرمائیے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس حسرت کے ساتھ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا نام لیتے ہیں، حالانکہ وہ قریشی نہیں تھے، بلکہ انصاری تھے۔ اگر خلافت کے لیے قرشیت کی شرط پر اجماع ہو چکا ہوتا اور اس کی حیثیت ایک دستوری حکم کی ہوتی تو کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اجماع کا اور اسلام کے اس دستوری حکم کا علم نہیں تھا؟

نیز سقیفہ بنی ساعدہ میں جو اجماع ہوا ہے، وہ اس بات پر نہیں ہوا کہ خلافت کے معاملہ میں قریش کو ان کی قرشیت کی بنا پر ترجیح حاصل ہے، بلکہ یہ اجماع اس بات پر ہوا ہے کہ قریش کی دینی خدمات، ان کی سیاسی حیثیت اور ان کے اثر و رسوخ کی بنا پر، ان کو خلافت کے معاملے میں، دوسروں پر ترجیح حاصل ہے۔

اگر اس معاملہ میں قریش کی قرشیت اصل چیز ہوتی تو قریش کے لیڈروں کا سقیفہ بنی ساعدہ میں بنیادی نقطۂ نظر یہ ہوتا کہ اسلام میں خلیفہ بننے کے لیے قریشی ہونا شرط ہے اور ان کی طرف سے صرف اسی ایک نقطہ کو ثابت کر دینے کے بعد ساری بحث ختم ہو جاتی۔ لیکن آپ انصار اور مہاجرین، دونوں کے لیڈروں کی تقریریں ابن قتیبہ کی ''الامامۃ والسیاسۃ'' یا تاریخ کی کسی کتاب میں پڑھیے تو صاف نظر آتا ہے کہ دونوں کے سامنے وجوہ ترجیح کی فہرست میں وہی چیزیں ہیں جن کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے (قریش کی دینی خدمات، ان کی سیاسی حیثیت اور سیاسی اثر و رسوخ)۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے لیڈر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی ایک تقریر ملاحظہ فرمائیے::

> **((یا معشر الأنصار، إن لکم سابقة فی الدین و فضیلة فی الإسلام لیست بقبیلة من العرب. إن رسول الله صلى الله علیه وسلم لبث فی قومه بضع عشرة سنة یدعوهم إلى عبادة الرحمٰن و خلع الأوثان فما آمن به من قومه إلا قلیل**

والله ما كانوا يقدرون أن يمنعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا يعرفوا دينه ولا يدفعوا عن أنفسهم حتى أراد الله تعالى بكم الفضيلة و ساق إليكم الكرامة و خصكم بالنعمة ورزقكم الإيمان به وبرسوله صلى الله عليه وسلم والمنع له ولأصحابه والإعزاز لدينه والجهاد لأعدائه فكنتم أشد الناس على من تخلف عنه منكم و أثقله على عدوكم من غيركم حتى استقاموا لأمر الله تعالى طوعًا و كرهًا وأعطى البعيد المقادة صاغرًا داحرًا حتى أثخن الله تعالى لنبيه بكم الأرض و دانت بأسيافكم له العرب وتوفاه الله تعالى وهو راض عنكم قرير العين فشدوا أيديكم بهذا الأمر فإنكم أحق الناس و أولى هم به فأجابوه جميعًا أن قد وفقت فى الرأى وأصبت فى القول))[66]

(اے گروہ انصار، خدمت اسلام میں جو فضیلت واولیت تم کو حاصل ہے، عرب کے کسی قبیلہ کو بھی حاصل نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کو برسوں خدائے واحد کی پرستش اور شرک سے باز آنے کی دعوت دیتے رہے، لیکن آپ کی قوم میں سے صرف تھوڑے ہی سے لوگ ایمان لائے۔ ان تھوڑے سے لوگوں کا بھی حال یہ تھا کہ خدا کی قسم، یہ لوگ نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کر سکتے تھے، نہ آپ کے دین کی تبلیغ کر سکتے تھے اور نہ خود اپنی ہی جانوں کی حفاظت کر سکتے تھے، بالآخر اللہ تعالی نے تمھیں اس شرف سے نوازا اور اس نعمت سے سرفراز کیا اور تمھیں اس بات کی توفیق حاصل ہوئی کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کی حفاظت کرو اور دین کو سربلند کرو اور دشمنان دین سے جہاد کرو۔ اس کے بعد دین سے منحرف رہنے والوں پر سب سے زیادہ سخت تم رہے ہو، عام اس سے کہ یہ تمھارے اندر کے لوگوں میں سے تھے یا باہر کے لوگوں میں سے، یہاں تک کہ خدا کے حکم کے آگے طوعاً یا کرہاً سب کو جھک جانا پڑا۔ دور والوں کو بھی اطاعت کرنی پڑی۔ اللہ نے تمھارے ذریعہ سے اپنے نبی کے لیے زمین کو مفتوح کر دیا اور تمھاری تلواروں کے ذریعہ سے عرب کو مطیع بنا دیا۔ رسول اللہ جب دنیا سے تشریف لے گئے تو وہ تم سے خوش تھے، اس وجہ سے اس خلافت کے سب سے زیادہ حق دار تم ہو۔ اس کو مضبوط ہاتھوں سے پکڑو۔ تمام انصار نے سعد کی اس رائے سے اتفاق کیا۔)

اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

((ولم تعرف العرب هذا الأمر إلا لهٰذا الحى من قريش))

(اہل عرب قریش کے سوا اور کسی کی قیادت سے آشنا نہیں ہیں۔)

حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کی تقریر سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں قریش اور انصار کا اختلاف، قریش اور انصار کے حسب و نسب کی فضیلت کے بارے میں نہیں تھا بلکہ یہ اختلاف اہلیت کے بارے میں تھا کہ خلافت کی اہلیت قریش میں زیادہ پائی جاتی ہے یا انصار میں۔

اگر حضور کے ارشاد کا صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ مطلب سمجھا ہوتا کہ خلافت کے لیے قرشیت کی شرط اسلامی دستور کی ایک دفعہ ہے اور پھر اس چیز پر سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار و مہاجرین کا اجماع ہو گیا ہوتا تو خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو اس اجماع کے ایک رکن رکین تھے اپنے زمانہ میں خلافت کے لیے ایسے لوگوں کے نام لینے کی جرأت کس طرح فرماتے جو قریشی نہیں تھے؟

نیز اگر فی الواقع اسلام میں نسب اور برادری کے سوال کو یہ اہمیت ہوتی جو بتائی جا رہی ہے تو پھر خلافت کے اصلی حق دار بنی ہاشم تھے، اس لیے کہ نسب کے شرف کے معاملہ میں ان کا کوئی حریف نہیں ہو سکتا تھا۔

پس مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا ایک اجتماعی معاملہ (معاملہ خلافت) کو کسی انفرادی معاملے (معاملہ نکاح) پر قیاس کرنا درست نہیں ہے۔ نیز مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا، مولانا ابو الکلام آزادؒ پر مذکورہ اعتراض بھی درست نہیں ہے۔ بلکہ اس معاملے میں مولانا احمد رضا خانؒ سے تسامح ہوا ہے۔

مسئلہ زیر بحث میں ایک رائے مولانا امین احسن اصلاحی کی بھی ہے۔ وہ اسے ایک قضیے کا فیصلہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ مولانا اصلاحی "الائمۃ من قریش" کی تشریح میں لکھتے ہیں:

> "یہ نہ امر نہ خبر نہ وصیت بلکہ یہ ایک قضیہ اور نزاع کا فیصلہ ہے۔ یہ قضیے کی شکل میں حضور ﷺ کے سامنے پیش نہیں ہوا تھا لیکن یہ ذہنوں میں موجود تھا اور اس کے اثرات وقتاً فوقتاً ظاہر ہوتے رہے تھے۔ حضور ﷺ کے لیے یہ اندازہ کر لینا کچھ مشکل نہ تھا کہ آپ کی وفات کے بعد یہ قضیہ ایک نزاع کی شکل اختیار کر سکتا ہے اور اس سے امت میں ایک انتشار پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنی زندگی ہی میں فیصلہ فرما دیا کہ اپ کے بعد خلافت کے حق دار قریش ہیں"[67]

مولانا اصلاحی کا کہنا ہے کہ آپ کے بعد خلافت کے دعویدار دو ہی گروہ ہو سکتے تھے۔ ایک انصار اور دوسرے مہاجرین (قریش)۔ قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ دینی خدمات کے اعتبار سے دونوں میں زیادہ فرق نہ تھا۔ اگر فرق تھا تو سیاسی اثر و رسوخ میں تھا اور اس حوالے سے قریش کی برتری واضح تھی۔ اس لیے ان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ اگر کوئی تیسرا

فریق ہوتا تو اس کے حالات کو دیکھ کر فیصلہ ہوتا۔ چنانچہ مولانا لکھتے ہیں:

"یہ خیال بالکل غلط ہے کہ حضور ﷺ نے یہ فیصلہ قریش کے حق میں ان کی قریشیت کی بنیاد پر دیا۔ اگر اس وقت کوئی تیسری جماعت میدان میں موجود ہوتی اور وہ اپنی دینی خدمات اور سیاسی قوت و دبدبہ کے لحاظ سے مذکورہ دونوں جماعتوں پر فوقیت رکھنے والی ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہی فیصلہ اس کے حق میں بھی دے سکتے تھے"[68]

مختصر یہ کہ متقدمین کے زمانہ میں کیونکہ خلافت قریش میں تھی اس لیے انہوں نے سمجھا کہ "الائمۃ من قریش" اور اس مضمون سے متعلقہ دیگر احادیث، جن میں قریش کے لیے خلافت کی خبر دی گئی ہے وہ امر اور تشریع پر محمول ہیں اور انعقادِ خلافت کے لیے قرشیت لازمی شرط ہے حالانکہ یہ احادیث تو خبر وغیرہ پر محمول ہیں۔ جیسا کہ انتخاب خلیفہ کے لیے حضرت عمر فاروق رضي الله عنہ کی آخری وقت کی گفتگو اس پر دلالت کرتی ہے۔

REFERENCES - حوالہ جات

1. Ahmad bin Hanbal, Imam. (1994). *Al-Musnad li-Imam Ahmad bin Hanbal* (Vol. 4, p. 209, Hadith No. 12309). Al-Taba'ah al-Thaniyah. Dar al-Fikr, Beirut.
2. Muslim, Imam Muslim, 'Asakir al-Din, Muslim bin Hajjaj bin Muslim al-Qushayri al-Nayshapuri, Abu al-Husayn. (1956). *Al-Sahih li-Muslim* (Vol. 2, p. 119). Al-Taba'ah al-Thaniyah. Qadeemi Kutub Khana, Karachi.
3. Ifriqi, Ibn Manzur Jamal al-Din, Muhammad bin Mukarram. (1997). *Lisan al-'Arab* (6th ed., Vol. 9, p. 83). Dar al-Fikr, Beirut.
4. Ifriqi, Ibn Manzur Jamal al-Din, Muhammad bin Mukarram. (1997). *Lisan al-'Arab* (6th ed., Vol. 9, p. 83). Dar al-Fikr, Beirut.
5. Imam Raghib al-Asfahani. (2009). *Mufradat Alfaz al-Qur'an* (p. 294). Tahqiq: Safwan 'Adnan Dawudi. 3rd ed. Dar al-Qalam, Dimashq.
6. Zubaidi, Sayyid Muhammad Murtada ibn Muhammad al-Husayni. (2012). *Taj al-'Arus min Jawahir al-Qamus* (Vol. 12, Part 23, p. 143). Tahqiq: al-Duktur 'Abd al-Mun'im Khalil Ibrahim & al-Ustadh Karim Sayyid Muhammad Mahmud. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
7. Ayzan (ibid.), Vol. 12, Part 23, p. 142.
8. Al-Azhari, Abu Mansur Muhammad bin Ahmad. (2001). *Tahdhib al-Lughah* (Vol. 4, Part 7, p. 174). Ta'liq: 'Umar Salami & 'Abd al-Karim Hamed. Taqdim: Ustadhah Fatimah Muhammad Aslan. 1st ed. Dar Ihya' al-Turath al-'Arabi, Beirut.
9. Abul Kalam Azad, Maulana. (2006). *Mas'alah Khilafat* (p. 19). Maktabah Jamal, Lahore.
10. Al-Mawardi, Abu al-Hasan 'Ali bin Muhammad al-Baghdadi. (1989). *Al-Ahkam al-Sultaniyyah wa al-Wilayat al-Diniyyah* (p. 5). Tahqiq: Ahmad Mubarak. 1st ed. Maktabah Dar Ibn Qutaybah, Kuwait.
11. Ibn Khaldun. (n.d.). *Muqaddimah Ibn Khaldun* (p. 225).
12. Ahmad bin Hanbal, Imam. (1994). *Al-Musnad li-Imam Ahmad bin Hanbal* (Vol. 4, p. 209, Hadith No. 12309). Al-Taba'ah al-Thaniyah. Dar al-Fikr, Beirut.
13. *Al-Jami' al-Saghir* (Hadith No. 9160).
14. Imam Bukhari, Muhammad bin Isma'il, Abu 'Abdullah. (1961). *Al-Jami' al-Musnad al-Sahih al-Mukhtasar min Umur Rasul Allah ﷺ wa Sunanihi wa Ayyamihi* (Vol. 2, p. 1057). 2nd ed. Qadeemi Kutub Khana, Karachi.
15. Muslim, Imam Muslim, 'Asakir al-Din, Muslim bin Hajjaj bin Muslim al-Qushayri al-Nayshapuri, Abu al-Husayn. (1956). *Al-Sahih li-Muslim* (Vol. 2, p. 119). 2nd ed. Qadeemi Kutub Khana, Karachi.
16. Muslim, Imam Muslim, 'Asakir al-Din, Muslim bin Hajjaj bin Muslim al-Qushayri al-Nayshapuri, Abu al-Husayn. (1956). *Al-Sahih li-Muslim* (Vol. 2, p. 119). 2nd ed. Qadeemi Kutub Khana, Karachi.
17. Muslim, Imam Muslim, 'Asakir al-Din, Muslim bin Hajjaj bin Muslim al-Qushayri al-Nayshapuri, Abu al-Husayn. (1956). *Al-Sahih li-Muslim* (Vol. 2, p. 119). 2nd ed. Qadeemi Kutub Khana, Karachi.
18. Al-Nawawi, Muhy al-Din Yahya bin Sharaf Abu Zakariyya. (2002). *Al-Minhaj Sharh Sahih Muslim bin al-Hajjaj* (p. 1416). 1st ed. Dar Ibn Hazm, Beirut.
19. Imam Ahmad bin Hanbal. (1994). *Al-Musnad* (Vol. 1, p. 23, Hadith No. 18). 2nd ed. Dar al-Fikr, Beirut.
20. Imam Bukhari, Muhammad bin Isma'il. (n.d.). *Al-Sahih al-Bukhari* (Vol. 2, p. 1072).
21. Muslim bin al-Hajjaj. (n.d.). *Al-Sahih* (Vol. 2, p. 119).
22. Muslim bin al-Hajjaj. (n.d.). *Al-Sahih* (Vol. 2, p. 119).
23. Muslim bin al-Hajjaj. (n.d.). *Al-Sahih* (Vol. 2, p. 119).
24. Al-Sijistani, Abu Dawud Sulaiman bin al-Ash'ath. (n.d.). *Al-Sunan* (Vol. 2, p. 238, Hadith No. 4279). Maktabah Rahmaniyyah, Lahore.
25. Al-Sijistani, Abu Dawud Sulaiman bin al-Ash'ath.

(n.d.). *Al-Sunan* (Vol. 2, p. 238, Hadith No. 4281). Maktabah Rahmaniyyah, Lahore.
26. Imam Bukhari. (n.d.). *Al-Sahih al-Bukhari* (Vol. 2, p. 1057).
27. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 107).
28. Ibn Hajar, al-Hafiz Ahmad bin 'Ali. (2000). *Fath al-Bari Sharh Sahih al-Bukhari* (Vol. 13, p. 143). 1st ed. Dar al-Salam, Riyadh.
29. Imam Bukhari. (n.d.). *Al-Sahih al-Bukhari* (Vol. 2, p. 1057).
30. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 108).
31. *Jami' al-Tirmidhi* (Hadith No. 3936).
32. *Musnad Ahmad* (Hadith No. 17690).
33. Al-Hafiz Nur al-Din al-Haythami, 'Ali bin Abi Bakr. (2005). *Majma' al-Zawa'id wa Manba' al-Fawa'id* (Vol. 5, p. 348, Hadith No. 8978). Tahqiq: 'Abdullah Muhammad al-Darwish. 1st ed. Dar al-Fikr, Beirut.
34. Al-Imam al-Hafiz Abu Ya'la Ahmad bin 'Ali bin al-Muthanna al-Mawsili. (1998). *Musnad Abi Ya'la al-Mawsili* (Vol. 1, p. 426, Hadith No. 304). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
35. Al-Imam al-Hafiz Abu Ya'la Ahmad bin 'Ali bin al-Muthanna al-Mawsili. (1998). *Musnad Abi Ya'la al-Mawsili* (Vol. 4, p. 336, Hadith No. 5002). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
36. Al-Imam al-Hafiz Abu Ya'la Ahmad bin 'Ali bin al-Muthanna al-Mawsili. (1998). *Musnad Abi Ya'la al-Mawsili* (Vol. 4, p. 336, Hadith No. 5002). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut. Ibn Hajar, al-Hafiz. *Fath al-Bari* (Vol. 13, p. 146).
37. Al-Qasṭallani, Ahmad bin Muhammad Shihab al-Din. (1996). *Irshad al-Sari Sharh Sahih al-Bukhari* (Vol. 24, p. 90). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
38. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 111).
39. Ibn Hajar, al-Hafiz. (n.d.). *Fath al-Bari* (Vol. 13, p. 142).
40. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 112).
41. Ibn Hajar, al-Hafiz. (n.d.). *Fath al-Bari* (Vol. 13, p. 144).
42. Al-Kashmiri, Muhammad Anwar Shah al-'Allamah. (2005). *Fayz al-Bari 'ala Sahih al-Bukhari* (Vol. 6, p. 477). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut. (Al-Maktabah al-Shamilah).
43. Maududi, Abu al-A'la, Maulana. (n.d.). *Khilafat wa Mulukiyyat* (p. 255). Idarah Tarjuman al-Qur'an, Lahore.
44. *Al-Qur'an, al-Hujurat, 49:13.*
45. *Al-Qur'an, al-Najm, 53:38–40.*
46. Al-Jawzi, Ibn al-Qayyim Shams al-Din Muhammad bin Abu Bakr. (n.d.). *Zad al-Ma'ad* (Vol. 5, p. 144). Al-Bahith al-Hadithi.
47. Imam al-Tahawi, Abu Ja'far Ahmad bin Muhammad. (n.d.). *Sharh Mushkil al-Athar* (Hadith No. 3459). Al-Bahith al-Hadithi.
48. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 102).
49. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 104).
50. Al-Nawawi, Muhy al-Din Yahya bin Sharaf. (n.d.). *Al-Minhaj* (p. 1416).
51. Al-Mawardi, Abu al-Hasan 'Ali bin Muhammad al-Baghdadi. (n.d.). *Al-Ahkam al-Sultaniyyah* (p. 5).
52. Ahmad bin Hanbal. (n.d.). *Al-Musnad* (Vol. 1, pp. 48–49, Hadith No. 108).
53. Ahmad bin Hanbal. (n.d.). *Al-Musnad* (Vol. 1, p. 54, Hadith No. 129).
54. Al-Hafiz Ibn Hajar. (n.d.). *Fath al-Bari* (Vol. 13, p. 148).
55. Al-Nawawi. (n.d.). *Al-Minhaj* (p. 1416).
56. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 117).
57. Al-Suyuti, Jalal al-Din. (2004). *Tarikh al-Khulafa'* (pp. 19–23). 6th ed. Dar al-Ma'rifah, Beirut.
58. Al-Suyuti, Jalal al-Din. (2004). *Tarikh al-Khulafa'* (p. 13). 6th ed. Dar al-Ma'rifah, Beirut.
59. Abul Kalam Azad, Maulana. (n.d.). *Mas'alah Khilafat* (p. 118).
60. Ibn Khaldun, 'Abd al-Rahman bin Muhammad. (n.d.). *Muqaddimah Ibn Khaldun* (p. 226).
61. Ibn Khaldun, 'Abd al-Rahman bin Muhammad. (n.d.). *Muqaddimah Ibn Khaldun* (p. 226).
62. Al-Shawkafi, Muhammad bin 'Ali. (1416 AH). *Wabl al-Ghamam 'ala Shifa' al-Alqam* (Vol. 2, pp. 397–398). Tahqiq wa Takhrij: Muhammad Subhi Hasan Hallaq. 1st ed. Maktabah Ibn Taymiyyah, Cairo.
63. Al-'Ayni, Badr al-Din Abu Muhammad Muhammad bin Ahmad. (2001). *'Umdat al-Qari Sharh Sahih al-Bukhari* (Vol. 24, p. 332). 1st ed. Dar al-Kutub al-'Ilmiyyah, Beirut.
64. *Silsilat Rasail Fatawa Rizwiyyah* (Risalah No. 3, Vol. 14, p. 56).
65. *Al-Qur'an, al-Hujurat, 49:13.*
66. Ibn Qutaybah, Abu Muhammad 'Abdullah bin Muslim. (1990). *Al-Imamah wa al-Siyasah* (Vol. 1, p. 22). 1st ed. Dar al-Adwa', Beirut.
67. Islahi, Amin Ahsan, Maulana. (2002). *Islami Riyasat* (pp. 50–51). Dar al-Tazkir, Lahore.
68. Islahi, Amin Ahsan, Maulana. (2002). *Islami Riyasat* (p. 152). Dar al-Tazkira, Lahore.